نقطۂ نظر

حدود و قصاص کے مقدمات میں عورتوں کی گواہی
(استفسار اور وضاحت)

فکرونظر کے شمارہ جنوری' مارچ ۱۹۹۳ء میں پروفیسر ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب کا ایک مضمون بعنوان "حدود و قصاص کے مقدمات میں عورتوں کی گواہی" طبع ہوا' مذکورہ مضمون سے متعلق لاہور سے جناب معز امجد صاحب نے مدیر کے نام اپنے مکتوب میں محترم ڈاکٹر غازی صاحب کے مضمون کی تحسین کے ساتھ ساتھ دو نکات پر وضاحت چاہی۔ ہم نے ان کا خط جناب پروفیسر غازی صاحب کی خدمت میں اس درخواست کے ساتھ پیش کیا کہ اگر وہ جواب، بنا پسند فرمائیں تو دونوں خطوط کو فکرونظر کے قارئین کے مطالعہ کے لئے پیش کر دیا جائے۔ محترم غازی صاحب نے جواب مرحمت فرما دیا' سو یہ دونوں خطوط قارئین کی خدمت میں پیش کئے جا رہے ہیں۔

مدیر

۸ ستمبر ۱۹۹۳

شعبۂ تصنیف و تالیف' المورد

(قسم دراسات الفقہ الاسلامی)

محترم مدیر فکرونظر

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

"ادارہ تحقیقات اسلامی" کے سہ ماہی مجلّہ "فکرونظر" جنوری ۔ مارچ ۱۹۹۳ء کا شمارہ دیکھنے کا موقع ملا۔ "حدود و قصاص کے مقدمات میں عورتوں کی گواہی" کے زیر عنوان ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب کی تحقیقات پڑھیں۔ یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ تقلید اور جمود کے اس تاریک دور میں بھی کچھ لوگ قرآن و سنت پر براہ راست غور کرتے اور اسی بات کو صحیح سمجھتے ہیں جو قرآن و سنت کی میزان پر پوری اترتی اور دین کے انہی دو ماخذ سے ثابت ہوتی ہے۔ یقیناً' اس میں کوئی

شبہ نہیں، کہ اپنے بزرگوں کی بات قرآن و سنت کی سند کے بغیر ماننا اور اسی پر جم جانا، درحقیقت علم کی اس روح ہی کے خلاف ہے جو انہی بزرگوں سے ہم کو ملی اور جو بجا طور پر ہمارا سرمایہ افتخار ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے اور ہر صحیح بات کو دلوں میں اتارے۔

مذکورہ تحریر کے آخر میں ڈاکٹر صاحب نے، نکات کی صورت میں، اپنی رائے کا جو خلاصہ بیان فرمایا ہے، اس میں سے پہلی اور تیسری بات سے ہم اتفاق کرتے ہیں، جبکہ دوسری اور چوتھی بات کے بارے میں، آپ کی وساطت سے، ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں چند معروضات پیش کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے لکھا ہے:

۲۔ البتہ قرآن پاک اور سنت رسول خدا کی قطعی نصوص کی بنیاد پر دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہوگی۔

اس معاملے میں، ڈاکٹر صاحب نے اگرچہ قرآن مجید اور سنت رسول خدا کی قطعی نصوص کا اپنی تحریر میں ذکر تو نہیں کیا، مگر، چونکہ یہ معاملہ فقہاء کے مابین مختلف فیہ نہیں ہے، اس وجہ سے ہم یہ سمجھ لیتے ہیں کہ انہوں نے اپنی رائے کی بنا سورہ بقرہ کی اسی آیت پر رکھی ہے، جسے بنیاد بنا کر فقہاء نے عورت کی آدھی گواہی کے بارے میں رائے قائم کی ہے۔

سورہ بقرہ کی آیت ۲۸۲ پر غور کرنے سے چند باتیں بالکل واضح طور پر سامنے آتی ہیں:

۱۔ پوری آیت میں مسلمانوں کو انفرادی حیثیت میں خطاب کیا گیا ہے۔ ریاست یا عدالت کو خطاب کر کے یہ نہیں کہا گیا کہ "جب قرض کے لین دین کا کوئی مقدمہ تمہارے سامنے پیش ہو، تو دیکھو، یہ معاملہ لکھا گیا ہے یا نہیں، اور اس پر دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ثبت کی گئی ہے یا نہیں۔۔ ۔ اس وجہ سے ہمارے نزدیک، آیت میں جو ہدایات دی گئی ہیں، ان کا قانون سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ معاشرتی ہدایات ہی ہیں، آیت کے الفاظ : "ولیکتب بینکم کاتب بالعدل" ، "ولا یأب کاتب ان یکتب" ، "ولیملل الذی علیہ الحق" ، "ولا یبخس منہ شیئا" اور "ولا یأب الشھداء إذا ما دعوا" سے یہ بالبداہت واضح ہے کہ یہ احکام معاشرتی ہدایات ہی ہیں۔ انہی ہدایات میں

"واستشهدوا شهيدين من رجالكم فان لم يكونا رجلين فرجل و امرأتان" کی ہدایت بھی دی گئی ہے۔ چنانچہ یہ بات بالکل واضح ہے کہ یہ بھی ایک معاشرتی ہی ہدایت ہے جس کا قانون و عدالت سے کوئی تعلق نہیں ۔ اس بات کی تائید "أن تضل إحداهما فتذكر احداهما الأخرى" اور "ذلكم أقسط عند الله و أقوم للشهادة و أدنى ألا ترتابوا" کے الفاظ سے بھی ہو رہی ہے۔ چنانچہ اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ اگر مسلمان اپنے لین دین کے معاملات میں ان ہدایات کا خیال رکھیں گے، تو یہ ان کے لئے خیر و برکت ہی کا باعث ہوگا اور فریقین نہ صرف نقصان اٹھانے سے محفوظ رہیں گے، بلکہ عند اللہ اپنا اجر بھی محفوظ پائیں گے۔ لیکن اگر کوئی شخص ان ہدیات کا خیال نہیں رکھتا، تو اس سے، اگرچہ عدالت کو صحیح فیصلہ کرنے میں مشکل پیش آ سکتی ہے، مگر، بہرحال، مقدمہ اپنے طریقے پر چلے گا، اور قاضی اپنے اطمینان پر فیصلہ بھی سنائے گا۔ مثال کے طور پر اگر فریقین اپنے معاملے کو تحریر ہی نہیں کرتے، اور جھگڑے کی صورت میں عدالت کے دروازے پر دستک دیتے ہیں، تو ظاہر ہے کہ عدالت صرف اس بنیاد پر کہ معاملہ تحریر نہیں کیا گیا، مقدمہ خارج نہیں کر دے گی، بلکہ دوسرے آثار و شواہد کی بنیاد پر، جس فیصلے پر مطمئن ہو جائے گی، وہ سنا دے گی، بعینہ، اسی طرح اگر ایک عورت کو گواہ بنایا گیا ہے، اور وہ بغیر الجھے، عدالت میں گواہی دیتی اور قاضی کو مطمئن کر دیتی ہے تو کیا مجرد اس بنیاد پر اس کی گواہی قبول نہ کی جائے گی کہ وہ ایک عورت ہے اور اس کے ساتھ، کوئی اور عورت یا مرد گواہی کے لئے موجود نہیں؟ اس کے برعکس اگر مرد اپنی گواہی میں الجھ جائیں، اور قاضی کو مطمئن نہ کر سکیں تو کیا مجرد اس بنیاد پر ان کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا کہ وہ مرد ہیں؟ بالبداہت واضح ہے کہ ایسا نہیں ہونا چاہئے۔ اللہ تعالی نے یہ ہدایات اسی وجہ سے دی ہیں کہ "ألا ترتابوا" چنانچہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اگر ان ہدایات کا خیال تو نہیں رکھا گیا، مگر کسی اور ذریعے سے عدالت کسی حتمی فیصلے تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئی ہے، تو ان ہدایات کا مقصود پورا ہو جائے گا، اگرچہ ان ہدایات کا خیال رکھنے سے عدالت کے لئے صحیح فیصلہ کرنا بہت آسان اور کافی حد تک یقینی ہو جاتا۔

۲۔ آیت زیر بحث کا تعلق دستاویزی شہادت ہی سے ہے۔ اس کے احکام کو واقعاتی شہادت پر قیاس کرنا عقلاً غلط ہے۔ ظاہر ہے، دستاویز لکھتے وقت ہمارے پاس اختیار ہوتا

ہے کہ ہم جسے چاہیں گواہ بنالیں' جب کہ زنا' قتل' چوری' ڈاکے اور رہزنی وغیرہ جیسے واقعات میں گواہوں کے انتخاب کا اختیار ہمارے پاس نہیں ہوتا۔ وہی لوگ گواہ کی حیثیت سے پیش ہو سکتے ہیں' جو' اتفاقاً' موقع پر موجود ہوں۔ خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں' اور خواہ ان کی تعداد کچھ بھی ہو۔ چنانچہ' یہ کہنا تو صحیح ہو سکتا ہے کہ دستاویز لکھتے وقت' دو بالغ لوگوں کی گواہی لی جائے' مگر یہ کہنا' ہرگز' صحیح نہیں ہوگا کہ قتل کا مقدمہ دو بالغ مردوں یا عورتوں کی گواہی سے ثابت ہوگا۔ یہاں تو گواہ کی حیثیت سے وہی پیش ہوں گے' جو موقع پر موجود تھے۔ خواہ وہ بچے ہوں' بوڑھے ہوں' یا جوان۔ اگر قاضی ان کی گواہی پر مطمئن ہو جائے گا۔ تو اس کے مطابق فیصلہ کر دے گا' اور اگر مطمئن نہیں ہو گا' تو دس مردوں کی گواہی کو رد کرتے ہوئے ملزم کے حق میں فیصلہ سنا دے گا۔ یہی معاملہ حالات و قرائن کا بھی ہے۔

اس ساری بحث کو پیش نظر رکھتے ہوئے' بقرہ کی آیت ۲۸۲ پر نظر ڈالیے' تو اس کے متعلقہ حصے کا سادہ مفہوم یوں ہوگا:

"اے ایمان والو' جب تم کسی معین مدت کے لئے قرض کا لین دین کا کوئی معاملہ کرو' تو' آئندہ اٹھنے والے جھگڑوں سے بچنے کے لئے ' اسے لکھ لیا کرو' اور اس تحریر پر دو لوگوں کی گواہی لے لیا کرو۔ چونکہ گواہوں کا اختیار تمہارے اختیار میں ہے' اس لئے مردوں ہی کو گواہ بناؤ' تاکہ کل کو اگر عدالت میں جانا پڑے' تو' خواہ مخواہ' عورتیں اس مصیبت میں نہ پھنسیں۔ اور اگر دو مرد نہ ہوں' تو ایک مرد کی جگہ دو عورتیں 'گواہ کے طور پر رکھ لو۔ تاکہ' ایک گھر میں رہنے والی ' عورت اگر عدالت کے اجنبی ماحول سے گھبرا کر الجھ جائے' تو دوسری اس کا سہارا بنے اور اسے یاد دلا دے۔"

اس ساری بحث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بقرہ کی آیت ۲۸۲ کی بنیاد پر یہ کہنا کہ اسلامی قانون میں دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے' کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے۔ یہ آیت دستاویزی شہادت ہی سے متعلق ہے۔ واقعاتی شہادت کا اس آیت سے نہ کوئی تعلق ہے اور نہ واقعاتی شہادت کے احکام کو دستاویزی شہادت کے احکام پر قیاس کرنا ہی درست ہے۔ مزید

برآں ' آیۂ زیر بحث کے احکام کی حیثیت معاشرتی ہدایت ہی کی ہے ' جس کا قانون و عدالت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے:

۴۔ "زنا بالجبر کو حرابہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ زنا' زنا ہے چاہے بالرضا ہو یا بالجبر' البتہ زنا بالرضا کی صورت میں فریقین اور بالجبر کی صورت میں صرف جبر کرنے والا فریق مستوجب سزا ہو گا"۔

اس معاملے میں سب سے پہلے تو ہم یہ عرض کرنا چاہیں گے کہ اس نکتے کا ڈاکٹر صاحب کی ساری بحث سے کوئی تعلق ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔ اس میں کوئی شبہ ہی نہیں کہ زنا' زنا ہے' بالرضا ہو یا بالجبر' جس طرح قتل' قتل ہے ' خواہ ایک شخص غیرت و غصے میں آ کر کسی دوسرے کو قتل کر دے یا کسی بس اسٹاپ پر بم نصب کر دے' جس سے بیسیوں بچے' بوڑھے اور جوان بلا امتیاز ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں۔

اس معاملے میں ' البتہ' عصر حاضر کے ایک جید عالم اور مفسر قرآن' مولانا امین احسن اصلاحی نے سورہ مائدہ کی آیت حرابہ (۳۳۔۳۴) کے تحت لکھا ہے:

"اللہ و رسول سے محاربہ یہ ہے کہ کوئی شخص یا گروہ یا جتھہ جرأت و جسارت' ڈھٹائی اور بے باکی کے ساتھ اس نظام حق و عدل کو درہم برہم کرنے کی کوشش کرے جو اللہ اور رسول نے قائم فرمایا ہے۔ اس طرح کی کوشش اگر بیرونی دشمنوں کی طرف سے ہو' تو اس کے مقابلے کے لئے جنگ و جہاد کے احکام تفصیل کے ساتھ الگ بیان ہوئے ہیں۔ یہاں بیرونی دشمنوں کے بجائے اسلامی حکومت کے ان اندرونی دشمنوں کی سرکوبی کے لیے تعزیرات کا ضابطہ بیان ہو رہا ہے جو اسلامی حکومت کی رعایا ہوتے ہوئے ' عام اس سے کہ وہ مسلم ہیں یا غیر مسلم' اس کے قانون اور نظم کو چیلنج کریں۔ قانون کی خلاف ورزی کی ایک شکل تو یہ ہے کہ کسی شخص سے کوئی جرم صادر ہو جائے۔ اس صورت میں اس کے ساتھ شریعت کے عام ضابطہ حدود و تعزیرات کے تحت کارروائی کی جائے گی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص یا گروہ قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لینے کی

کوشش کرے' اپنے شر و فساد سے علاقے کے امن و نظم کو درہم برہم کر دے' لوگ اس کے ہاتھوں ہر وقت اپنی جان' مال' عزت' آبرو کی طرف سے خطرے میں مبتلا رہیں۔ قتل' ڈکیتی' رہزنی' آتش زنی' اغوا' زنا' تخریب' ترہیب اور اس نوع کے سنگین جرائم حکومت کے لیے لاء اور آرڈر کا مسئلہ پیدا کر دیں۔ ایسے حالات سے نمٹنے کے لیے عام ضابطہ حدود و تعزیرات کے بجائے اسلامی حکومت (یہ) اقدامات کرنے کی مجاز ہے"۔ (تدبر قرآن: جلد ۲' ص ۵۰۵)۔

اس اقتباس سے واضح ہے کہ مولانا کے نزدیک' جرائم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ کسی شخص سے قتل' زنا' چوری یا اس قبیل کا کوئی جرم صادر ہو جاتا ہے اور دوسرا یہ کہ یہی جرائم ایسی صورت دھار لیتے ہیں' جس سے علاقے کا امن و امان اور نظم و نسق درہم برہم ہو جاتا اور ریاست کے شہری اپنی جان و مال اور عزت و آبرو کی طرف سے خطرے میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ چوری ' ڈاکے کی شکل دھار لیتی' قتل' تخریب کاری بن جاتا اور زنا' اغوا اور اجتماعی عصمت دری کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ مولانا امین احسن کے نزدیک' ان صورتوں میں' اگرچہ چوری' چوری ہی رہتی' قتل' قتل ہی رہتا اور زنا' زنا ہی رہتا ہے' مگر اب چونکہ یہ جرائم کسی ایک فرد کے خلاف نہیں' بلکہ پورے معاشرے کے خلاف ہیں جن کے ذریعے سے ریاست کے امن و امان اور لوگوں کے سکھ چین کو برباد کیا گیا ہے' اس وجہ سے' ان مجرموں کو پہلی قسم کے جرائم کے تحت سزائیں دینے کے بجائے' ملک میں فساد مچانے یا حرابہ یا محاربہ کے قانون کے تحت سزائیں دی جانی چاہییں۔

ڈاکٹر صاحب سے ہماری گزارش ہے کہ وہ خود اس بات پر غور کریں کہ ایک شخص' چپکے چپکے کسی گھر میں داخل ہوتا اور جو چیز بھی ہاتھ لگتی اسے لے اڑنے کی کوشش کرتا ہے' جبکہ دوسری طرف ایک گروہ گھر والوں کو زد و کوب اور حراساں کرتا' ان کی قیمتی اشیاء انہی کے ہاتھوں نکلواتا اور اسلحہ لہراتے ہوئے فرار ہو جاتا ہے۔ اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ دونوں صورتوں میں چوری ہی ہوئی ہے' مگر کیا دونوں مجرم ایک ہی قسم کی سزا کے مستحق ہیں؟ ایک شخص غیرت و غصے میں آ کر کسی دوسرے کی جان لے لیتا ہے' جبکہ ایک دوسرا شخص' بغیر کسی ذاتی رنجش و دشمنی کے مسجد میں گھس کر نہتے نمازیوں پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دیتا ہے' جس سے

بچے' بوڑھے اور جوان بلا امتیاز ڈھیر ہو جاتے ہیں۔ بے شک دونوں صورتوں میں قتل ہی ہوا ہے مگر کیا ان دونوں مجرموں کے ساتھ ایک جیسا سلوک ہونا چاہئے ؟ ایک مرد و عورت جذبات میں آ کر زنا کر بیٹھتے ہیں' جبکہ دوسری طرف ایک درندہ صفت آدمی ایک معصوم بچی کو اپنی ہوس کا نشانہ بنا ڈالتا یا ایک شریف زادی کو رسوا کر دیتا ہے۔ بہرحال دونوں صورتوں میں جرم تو زنا ہی کا ہوا ہے' مگر کیا قانون کی نظر میں یہ دونوں مجرم برابر ہوں گے؟ اسی طرح ایک رکشہ چلانے والا ٹریفک کے قانون کی خلاف ورزی کرتا ہے' اور دوسری طرف رکشہ ڈرائیوروں کی یونین ٹریفک کے نظام کو معطل کرنے کے لیے قانون کی خلاف ورزی کی مہم چلا دیتی ہے۔ کیا ان دونوں صورتوں کے ساتھ ایک ہی طرح نمٹا جائے گا؟ ہمیں یقین ہے کہ ڈاکٹر صاحب بھی ان سب سوالوں کا جواب نفی ہی میں دیں گے۔ چنانچہ' ہمارے نزدیک ' زنا بالجبر کی بہت سی صورتیں ایسی ہیں جو' بے شک' حرابہ ہی میں شامل ہوں گی' اور ہونی چاہییں۔

ڈاکٹر صاحب سے ہماری گزارش ہے کہ ہماری ان معروضات پر ضرور غور کریں اور اپنے نتائج فکر سے ہمیں آگاہ فرمائیں۔

اللہ تعالی لغزشوں سے درگزر فرمائے' صحیح باتوں کے لیے دلوں میں جگہ پیدا کرے' اور اگر کوئی غلط بات سرزد ہو گئی ہو' تو اس کے ضرر سے ہم سب کو محفوظ رکھے۔

اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ۔

والسلام

معز امجد

المورد

(وضاحت)

اکادمیۃ الدعوۃ
الجامعۃ الاسلامیۃ العالمیہ باسلام آباد' پاکستان
۲۵/ ۹/ ۱۹۹۳

برادر مکرم و محترم ڈاکٹر صاحبزادہ ساجد الرحمن صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا گرامی نامہ مورخہ ۱۴ ستمبر ۱۹۹۳ء کو موصول ہوا۔ ابتداء میں میرا خیال تھا کہ میں جناب معز امجد صاحب کے اٹھائے ہوئے نقاط کے بارے میں ایک مفصل تحریر تیار کروں لیکن بعد میں یہ خیال ہوا کہ مفصل تحریر کے لیے جس یک سوئی اور فرصت کی ضرورت ہے' وہ سردست میسر نہیں اور اس کے انتظار میں خاصہ وقت گزر جانے کا امکان ہے اس لیے مختصراً چند گزارشات پیش خدمت ہیں:۔

میں المورد کے شعبہ تصنیف و تالیف کے فاضل رکن معز امجد صاحب کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے حدود و قصاص کے مقدمات میں عورتوں کی گواہی کے زیر عنوان میری ناچیز تحریر کا مطالعہ فرمایا اور اس کے بارے میں حوصلہ افزا خیالات ظاہر فرمائے انہوں نے مذکورہ بالا تحریر میں اخذ کردہ بعض نتائج سے اختلاف کیا ہے جن کو میں نے تحریر کے آخر میں نکات کی شکل میں بیان کیا تھا۔ انہوں نے خواہش ظاہر کی ہے کہ ان کے فرمودات پر غور کرکے میں اپنی ناچیز رائے ان دونوں نکات کے بارے میں عرض کروں:۔

۱۔ میں نے عرض کیا تھا کہ قرآن پاک اور سنت رسول خدا کی قطعی نصوص کی بنیاد پر دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہوگی۔ میرے نزدیک اس معاملہ میں نص قطعی کے ہونے یا

نہ ہونے کی بحث میں جانے سے پہلے جو بات سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے وہ یہ ہے کہ دور صحابہ سے لے کر آج تک یہ مسئلہ کبھی بھی مختلف فیہ نہیں رہا کہ دو عورتوں کی گواہی کو ایک مرد کی گواہی کے برابر قرار دیا جائے۔ حدیث اور فقہ کی کتابوں میں صحابہ اور تابعین کے جو اقوال اور فتاویٰ دستیاب ہیں ان میں کوئی ایک رائے بھی ایسی نہیں ملی جس میں ہر معاملے میں عورتوں کی گواہی کو مطلقاً مردوں کے برابر قرار دیا گیا ہو۔

ممکن ہے بعض حضرات اس بات کو کوئی اہمیت نہ دیتے ہوں لیکن میری رائے میں قرآن مجید اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعبیر و تشریح کے معاملے میں امت کے تعامل اور متفقہ نقطہ نظر سے صرف نظر کرنا درست نہیں۔ اگر سورہ بقرہ کی آیت مداینہ (البقرہ ۲۸۲) کا وہ مفہوم ہوتا جو جناب معز صاحب نے بیان فرمایا تو کسی ایک صحابی، تابعی، یا فقیہ کا ذہن اس طرف ضرور گیا ہوتا۔

جہاں تک سنت رسول کا تعلق ہے تو بخاری، مسلم اور دوسری متعدد کتب حدیث میں بیان کردہ وہ روایت بڑی بنیادی حیثیت رکھتی ہے جس کو کئی صحابہ نے روایت کیا ہے اور جو میری ناچیز رائے میں اس باب میں فیصلہ کن حیثیت رکھتی ہے، یعنی وہ روایت جس میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین کے اجتماع سے گفتگو فرماتے ہوئے ان کو یہ بات یاد دلائی کہ ان میں سے دو کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے۔ اگر اس آیت کریمہ کا وہ مفہوم ہوتا جو جناب معز امجد نے بیان فرمایا ہے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بھی اس عمومی انداز میں دو عورتوں کی گواہی کو ایک مرد کے برابر نہ قرار دیتے، اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ آیت مداینہ سے وہ مفہوم نکل سکتا ہے جو فاضل تبصرہ نگار نے بیان فرمایا ہے تو بھی مذکورہ بالا حدیث کی موجودگی میں اس مفہوم کو اختیار کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔

اگر حدیث صحیح قرآن کی شارح اور مفسر ہے اور یقیناً ہے تو آخر کس بنیاد پر آیت مداینہ کی تعبیر و تشریح میں اس حدیث قطعی کو نظرانداز کیا جا سکتا ہے؟ ناچیز کو اس سے اختلاف ہے کہ آیت زیر بحث کا تعلق محض دستاویزات سے ہے۔ اس لیے کہ آیت مبارکہ میں قرض اور لین دین کے بارے میں بہت سی ہدایات بیان کی ہیں جن میں ایک دستاویز کی تیاری کے بارے میں

بھی ہے۔

راقم الحروف کا عرض کردہ ایک نکتہ جس سے اختلاف کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ زنا بالجبر کو حرابہ نہیں قرار دیا جا سکتا۔ یہ درست ہے کہ اس کا مضمون میں بیان کردہ بحث سے کوئی ربط محسوس نہیں ہوتا لیکن اس کی وجہ یہ ہے کہ اس مضمون کے آغاز میں جو تعارفی نوٹ شامل ہونا تھا وہ کسی وجہ سے شامل ہونے سے رہ گیا۔ یہ تحریر اسلامی نظریاتی کونسل میں زیر بحث ایک مسئلے کے بارے میں لکھی گئی تھی جس میں حدود اور قصاص کے بارے میں عورتوں کی گواہی اور بالخصوص زنا بالجبر کے باب میں عورتوں کا معاملہ درپیش تھا وفاقی شرعی عدالت نے اپنا ایک فیصلہ دیا تھا جس میں یہ قرار دیا تھا کہ زنا بالجبر کیونکہ حرابہ ہے اس لیے اس کے ثبوت کے لیے چار گواہوں کی شرط ضروری نہیں ہے بلکہ دو گواہوں کی بنیاد پر بھی فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ راقم الحروف کو اس رائے پر شرح صدر نہیں تھا جس کا اظہار محولہ بالا نکتہ میں کیا گیا تھا۔

جہاں تک حضرت مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کے اقتباس کا تعلق ہے اس میں جو بات ارشاد فرمائی گئی ہے وہ یقیناً واقعی اور وزنی ہے لیکن نہ مولانا محترم نے زنا بالجبر کو مطلقاً محاربہ قرار دیا ہے اور نہ زنا بالجبر کی ہر صورت محاربہ میں شامل ہے۔

البتہ جیسا کہ مولانا اصلاحی نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص قانون کو اپنے ہاتھ میں لے کر نظم کو درہم برہم کر دے اور لوگ اس کے ہاتھوں ہر وقت اپنی عزت و آبرو کی طرف سے خطرات میں مبتلا رہتے ہوں اور وہ زنا بالجبر کا ارتکاب کر کے حکومت کے لیے لاء اینڈ آرڈر کا مسئلہ پیدا کر دے تو یقیناً یہ محاربہ کی ایک قسم ہے اور اس پر محاربہ کے متعلق سزاؤں کا اجراء ہوگا۔ لیکن زنا بالجبر کی جو تعریف پاکستان کے قانون تعزیرات میں کی گئی ہے اس کی رو سے اس کی اکثر و بیشتر قسمیں حرابہ قرار نہیں دی جا سکتیں۔

والسلام

نیاز مند

(ڈاکٹر محمود احمد غازی)

***